

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کے جذبات کو گرما یا۔ گزشتہ دنوں ہانگ کانگ میں قرآن کریم کی تعلیم کے مدارس (جن کی تعداد چالیس کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے) کے طلبہ میں حسن قراءت کا مقابلہ ہوا تھا۔ اس میں اول آنے والے ایک بچے نے خوب صورت انداز میں قرآن کریم کی تلاوت کی اور ننھے ایرانی حافظ محمد علی اسلامی نے شرکائے محفل کی فرمائش پر چار مختلف مقامات سے قرآن کریم کی آیات سنائیں۔ راقم الحروف نے اس محفل میں اپنی تفصیلی گفتگو میں اس نکتے پر بطور خاص زور دیا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا اصل تعلق یہ ہے کہ وہ ہمارے آئیڈیل ہیں اور ہم ان کے پیروکار ہیں۔ جس طرح ہر پیروکار کو اپنے آئیڈیل کی ہر بات اور ہر ادا پسند ہوتی ہے اور وہ اس کی پیروی کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اسی طرح ہمیں بھی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا سے محبت اور اس کی پیروی کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہانگ کانگ کے مختلف مقامات کی سیر کے ساتھ ساتھ متعدد دوستوں سے اس خطہ اور یہاں رہنے والے مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جن کی تفصیلات انھی صفحات میں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ البتہ سر دست اس کے ایک پہلو پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہانگ کانگ کم و بیش ایک سو سال تک برطانیہ کا حصہ اور اس کی نوآبادی رہا ہے۔ اس کے ایک حصے پر برطانوی فوجوں نے قبضہ کر رکھا تھا اور ایک حصہ برطانیہ نے چین سے ۹۹ سال کی لیز پر لے لیا تھا جو ۱۹۹۷ء کو ختم ہوئی اور چین کے مطالبے پر برطانیہ کو لیز والے حصے کے ساتھ مقبوضہ علاقہ بھی چین کو واپس کرنا پڑا۔ ہانگ کانگ کی برطانیہ سے چین کو واپسی کے اس مرحلے پر یہ سوال کھڑا ہو گیا تھا کہ ہانگ کانگ کی آبادی، جس نے ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک برطانیہ کے تحت اس کے مخصوص ماحول میں زندگی گزاری تھی، وہ چین کے تحت اس سے بالکل مختلف ماحول میں کیسے رہ سکے گی؟

اس سوال نے کم و بیش ایک عشرے تک ہانگ کانگ کی آبادی میں ہلچل مچائے رکھی اور اس پر چین اور برطانیہ کی حکومتوں میں مسلسل مذاکرات ہوتے رہے اور بالآخر اس کا حل یہ نکالا گیا کہ ہانگ کانگ چین کا حصہ تو بنے گا لیکن اس کا نظام چین سے مختلف ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہانگ کانگ چین کا صوبہ ہے، پرچم، دفاع اور خارجہ پالیسی چین کی ہے لیکن کرنسی، نظام، ویزا اور طرز زندگی اس سے الگ ہے جسے ”ون کنٹری ٹوسٹم“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ یہ معلوم کر کے میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا ہے کہ اگر ہانگ کانگ کو چین کا حصہ ہونے کے باوجود اپنے مخصوص کچھ اور معاشرت کے حوالے سے الگ نظام کا حق دیا جاسکتا ہے تو پاکستان میں سوات اور اس جیسے دیگر علاقوں کو ”ون کنٹری ٹوسٹم“ کی یہ سہولت فراہم کرنے میں آخر کیا حرج ہے؟

حدیث و سنت کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف

حدیث و سنت کے بارے میں محترم جناب جاوید احمد غامدی کی مختلف تحریرات کے حوالے سے راقم الحروف نے کچھ اشکالات ”الشریعیہ“ میں پیش کیے تھے اور غامدی صاحب سے گزارش کی تھی کہ وہ ان سوالات و اشکالات کے تناظر میں حدیث و سنت کے بارے میں اپنے موقف کی خود وضاحت کریں تاکہ اہل علم کو ان کا موقف سمجھنے میں آسانی ہو۔ غامدی صاحب محترم نے اس گزارش کو قبول کرتے ہوئے ماہنامہ ”اشراق“ کے مارچ ۲۰۰۹ء کے شمارے میں اپنا موقف تحریر فرمایا ہے جسے ان کے شکر یہ کہ ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہم کچھ مزید معروضات بھی پیش کر رہے ہیں۔

غامدی صاحب محترم فرماتے ہیں کہ:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو قرآن دیا ہے۔ اس کے علاوہ جو چیزیں آپ نے دین کی حیثیت سے دنیا کو دی ہیں، وہ بنیادی طور پر تین ہی ہیں:

۱۔ مستقل بالذات احکام و ہدایات جن کی ابتدا قرآن سے نہیں ہوئی۔

۲۔ مستقل بالذات احکام و ہدایات کی شرح و وضاحت، خواہ وہ قرآن میں ہوں یا قرآن سے باہر۔

۳۔ ان احکام و ہدایات پر عمل کا نمونہ۔

یہ تینوں چیزیں دین ہیں۔ دین کی حیثیت سے ہر مسلمان انھیں ماننے اور ان پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی نسبت کے بارے میں مطمئن ہو جانے کے بعد کوئی صاحب ایمان ان سے انحراف کی جسارت نہیں کر سکتا۔ اُس کے لیے زیبا یہی ہے کہ وہ اگر مسلمان کی حیثیت سے جینا اور مرنا چاہتا ہے تو بغیر کسی تردد کے ان کے سامنے سرتسلیم خم کر دے۔

ہمارے علما ان تینوں کے لیے ایک ہی لفظ ”سنت“ استعمال کرتے ہیں۔ میں اسے موزوں نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک پہلی چیز کے لیے ”سنت“، دوسری کے لیے ”تفہیم و تمہین“ اور تیسری کے لیے ”اسوۂ حسنہ“ کی اصطلاح استعمال کرنی چاہیے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اصل اور فرع کو ایک ہی عنوان کے تحت اور ایک ہی درجے میں رکھ دینے سے جو خلطِ محض پیدا ہوتا ہے، اُسے دور کر دیا جائے۔

یہ محض اصطلاحات کا اختلاف ہے، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو میرے اور ائمہ سلف کے موقف میں سرمو کوئی فرق نہیں ہے۔ میرے ناقدین اگر میری کتاب ”میزان“ کا مطالعہ دقت نظر کے ساتھ کرتے تو اس چیز کو سمجھ لیتے اور انھیں کوئی غلط فہمی نہ ہوتی۔ یہ توقع اب بھی نہیں ہے۔ دین کے سنجیدہ طالب علم، البتہ مستحق ہیں کہ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے یہ چند معروضات ان کی خدمت میں پیش کر دی جائیں۔

اولاً، سنت کے ذریعے سے جو دین ملا ہے، اُس کا ایک بڑا حصہ دین ابراہیمی کی تجدید و اصلاح پر مشتمل ہے۔ تمام محققین یہی مانتے ہیں۔ تاہم اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں محض جزوی اضافے کیے ہیں۔ ہرگز نہیں، آپ نے اس میں مستقل بالذات احکام کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس کی مثالیں کوئی شخص اگر چاہے تو ”میزان“ میں دیکھ لے سکتا ہے۔ یہی معاملہ قرآن کا ہے۔ دین کے جن احکام کی ابتدا اُس سے ہوئی ہے، ان کی تفصیلات ”میزان“ کے کم و بیش تین سو صفحات میں بیان ہوئی ہیں۔ میں ان میں سے ایک ایک چیز کو ماننے اور اُس پر عمل کرنے کو ایمان کا تقاضا سمجھتا ہوں، اس لیے یہ الزام بالکل لغو ہے کہ پہلے سے موجود اور متعارف چیزوں سے ہٹ کر کوئی نیا حکم دینا یا دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا میرے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کے دائرہ کار میں شامل ہی نہیں ہے۔ ثانیاً، سنت کی تعین کے ضوابط کیا ہیں؟ ان کی وضاحت کے لیے میں نے ”میزان“ کے مقدمہ ”اصول و مبادی“ میں ”مبادی تدبر سنت“ کے عنوان سے ایک پورا باب لکھا ہے۔ یہ سات اصول ہیں۔ ان کی بنیاد پر ہر صاحب علم کسی چیز کے سنت ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ سنن کی ایک فہرست انھی اصولوں کے مطابق میں نے مرتب کر دی ہے۔ اس میں کمی بھی ہو سکتی ہے اور بیشی بھی۔ تحقیق کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد میں خود بھی وقتاً فوقتاً اس میں کمی

بیشی کرتا رہا ہوں۔ میں نے کبھی اس امکان کو رد نہیں کیا ہے۔

ثالثاً، اس فہرست سے ہٹ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات بھی دین کی حیثیت سے روایتوں میں نقل ہوئے ہیں، اُن میں سے بعض کو میں نے ”تفہیم و تمہین“ اور بعض کو ”اسوۂ حسنہ“ کے ذیل میں رکھا ہے۔ یہی معاملہ عقائد کی تعبیر کا ہے۔ اس سلسلہ کی جو چیزیں روایتوں میں آئی ہیں، وہ سب میری کتاب ”میزان“ کے باب ایمانیات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ بھی ”تفہیم و تمہین“ ہے۔ علمی نوعیت کی جو چیزیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نقل ہوئی ہیں، اُن کے لیے صحیح لفظ میرے نزدیک یہی ہے۔ آپ سے نسبت متحقق ہو تو اس نوعیت کے ہر حکم، ہر فیصلے اور ہر تعبیر کو میں حجت سمجھتا ہوں۔ اس سے ادنیٰ اختلاف بھی میرے نزدیک ایمان کے منافی ہے۔“

جہاں تک غامدی صاحب کے موقف کا تعلق ہے، وہ ان کے اس مضمون کی صورت میں اہل علم کے سامنے ہے اور اگر اس کے بارے میں کسی کے ذہن میں تحفظات موجود ہیں تو اس کا علمی انداز میں اظہار ہونا چاہیے۔ البتہ راقم الحروف سر دست دو پہلوؤں پر کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ایک یہ کہ غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ ”یہ محض اصطلاحات کا اختلاف ہے، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو میرے اور ائمہ سلف کے موقف میں سرمو کوئی فرق نہیں۔“ ہماری گزارش یہ ہے کہ اگر صرف اتنی ہی بات ہے تو اصطلاحات و تعبیرات کے اس فرق میں یہ پہلو ضرور ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ نئی اصطلاح اور جداگانہ تعبیر سے کیا نئی نسل کے ذہن میں کوئی کنفیوژن تو پیدا نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ اس وقت ہماری نئی نسل مختلف اطراف سے پھیلائے جانے والے کنفیوژن کی زد میں ہیں، اسے اس ماحول سے نکالنا ایک مستقل دینی ضرورت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ایسے ماحول میں سنجیدہ اہل علم کوئی نسل کی ذہنی اور فکری الجھنوں میں اضافہ کرنے کی بجائے ان میں کمی کرنے کا اسلوب اختیار کرنا چاہیے اور ہم برادرانہ جذبات کے ساتھ غامدی صاحب محترم سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ بھی اس پر غور فرمائیں گے۔ دوسری گزارش ہے کہ غامدی صاحب محترم نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات کو (۱) مستقل بالذات احکام، (۲) مستقل بالذات احکام و ہدایات کی شرح و وضاحت اور (۳) ان احکام و ہدایات پر عمل کا نمونہ میں تقسیم کیا ہے اور فرمایا کہ وہ پہلے حصے کو سنت، دوسرے کو تفہیم و تمہین اور تیسرے حصے کو اسوۂ حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ علمائے کرام ان سب کو سنت قرار دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ان امور کو سنت قرار دینے کی نسبت صرف علمائے کرام کی طرف کرنا شاید واقعہ کے مطابق نہیں ہے، اس لیے کہ خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور صحابہ کرامؓ کے فرمودات میں ایسے امور پر سنت کا اطلاق پایا جاتا ہے جو غامدی صاحب کی تقسیم کی رو سے سنت میں شمار نہیں ہوتیں، مثلاً:

(۱) بخاری شریف کی روایت (۸۹۸) کے مطابق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن کی ترتیب میں نماز کو پہلے اور قربانی کو بعد میں رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ جس نے ہماری ترتیب پر عمل کیا، ”فقد اصاب سنتنا“ اس نے ہماری سنت کو پالیا۔

(۲) بخاری شریف کی روایت (۱۵۵۰) کے مطابق حج کے موقع پر حجاج بن یوسف کو ہدایات دیتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ”ان كنت تريد السنة“ اگر تم سنت پر عمل کا ارادہ رکھتے ہو تو خطبہ مختصر کرو اور وقوف میں جلدی کرو۔

(۳) بخاری شریف کی روایت (۱۳۶۱) کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں لوگوں کو حج اور عمرہ اکٹھا کرنے سے بعض وجوہ کی بنا پر منع کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھ لیا کہ میں